ڈاکٹر اسماعیل گوہر
لیکچرار (پشتو)، شعبہ اُردو
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اقبال کی افغان شناسی

Allama Dr: Muhammad Iqbal has referred to Afghan people as Millat e Afghan in his poetry.he has taken keen interest in ethnic history of Afghans.Iqbal believed that Afghans are originaly descended fron Israeelities (Bani Israil) he had a great respect for religious, political and literary figures belonged to Afghan comunity.Iqbal appreciated those personalities and wrote several poems about the. he paid a visit to Afghanistan in November 1933 on specal invitation of king Nadir shah.Iqbal,s thoughts regarding history of Pashtoons,their historically known personalities and geographical significance of Afghanistan and pukhtunkhwa have been analyzed and discribe in this article.

اقبال نے خیبر پختونخوااور افغانستان کے کم وبیش ایک سو افغان قبائل وشعوب کو'' ملت افغانیہ'' کا نام دیا ہے جو امکانات وتوقعات کے حوالے سے ان اقوام میں سب سے نمایاں ہیں جن کا ذکر اقبال نے اپنی شاعری میں کیا ہے۔ اس طرح کم وبیش جن دوسوشخصیات کا ذکر ان کی نظم ونثر میں ملتا ہے ان میں بھی افغان مشاہیر اقبال کے فکری ماحول کی بلندیوں پر ہیں۔ ان کی ذہنی اور فکری دلچسپی پشتونوں سے کئی جہات سے تھی۔انھیں اس قوم کی نسلیت کا بھی تجسس تھا اور ان کی قومی اقدار و روایات بھی عزیز تھیں۔ساتھ ہی ساتھ افغانستان اور پختونخوا کی سیاسی اور جغرافیائی اہمیت بھی ان کے فکری حیطے میں نمایاں تھی۔ اس مختصر مضمون میں ان تینوں جہات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی جہت افغان یا پشتون نسلیت ہے جس میں علامہ کی دلچسپی گہری تھی۔وہ اس قوم کے عبرانی الاصل ہونے پر یقین رکھتے تھے۔۱۴ دسمبر ۱۹۱۸ء کو مولوی نجم الغنی رامپوری کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

> قوم افغان کی اصلیت پر آپ نے خوب روشنی ڈالی ہے۔ کشامرہ غالباً اور افاغنہ یقیناً اسرائیلی الاصل ہیں۔ (۱)
> قاضی میر احمد شاہ رضوانی جو خود افغان ہیں، ایک دفعہ مجھ سے فرماتے تھے کہ لفظ''فُغ'' قدیم فارسی میں ''ہست'' آیا ہے اور افغان میں الف سالبہ ہے۔چونکہ ایران میں بود و باش کے وقت افغان بت پرست نہ تھے اس واسطے ایرانیوں نے انھیں افغان کے نام سے موسوم کیا ہے۔میرے خیال میں حال کی پشتو زبان میں بہت سے الفاظ عبرانی اصل کے موجود ہیں۔اگر تحقیق کی جائے تو مجھے یقین ہے نہایت بارآور ہوگی۔ (۲)

اقبال نے پشتونوں کے اسرائیلی الاصل ہونے کے لیے''یقیناً'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو اس سمت میں ان کے وسیع اور گہرے مطالعے پر دال ہے۔لیکن ان کی تحریروں سے ان کے اس نظریے کے دو ماخذ کھلتے ہیں۔اول مکتوب بالا

میں میر احمد شاہ رضوانی اور دوم پشتو کے معروف شاعر خوشحال خان خٹک ہیں۔ اول الذکر میر احمد شاہ رضوانی (۱۹۴۳۔۱۸۶۲ء) واحد پشتون عالم ہیں جنھیں شمس العلما کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ وہ پشتو، عربی، فارسی اور اردو کے جید عالم تھے اور ساتھ ساتھ انگریزی پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ کم و بیش تیس کتابوں کے مصنف تھے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے لیے پشتو کی نصابی کتب ان ہی کی تحریر کردہ تھیں۔ ۱۹۱۱ء میں اقبال اور میر احمد شاہ رضوانی پنجاب یونیورسٹی کی نصابی کمیٹی میں شامل تھے۔ دونوں کے مابین مباحث اور مراسلت کی شہادتیں موجود ہیں۔ ثانی الذکر خوشحال خان (۱۶۸۹۔۱۶۱۳ء) ہیں۔ اقبال نے ترکی کے معروف دانشور اور مطالعہ اسلام ترکی کے سربراہ خالد خلیل بے کو افغانوں پر خطبات کا ایک سلسلہ شروع کرنے کا مشورہ اپنے ایک خط مرقومہ دسمبر ۱۹۲۴ء میں دیا تھا۔ اس خط میں پانچ خطبات کے موضوعات اور ذیلی عنوانات بھی درج کیے تھے۔ خطبہ سوم کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> خوشحال خان خٹک۔ سرحدی افغانوں کا زبردست سپاہی شاعر جس نے ہندوستان کے مغلوں کے خلاف افغان قبیلوں کو متحد کرنا چاہا تھا اور اس کا خیال تھا کہ افغان عبرانی الاصل ہیں۔ (۳)

خوشحال خان نے اپنا یہ نسلی نظریہ اپنی نظم و نثر میں دو جگہ بیان کیا ہے۔ اپنی نثری تصنیف ''دستار نامہ'' کے ۱۷ ویں باب بعنوان ''نسب کی تحقیق'' میں پشتونوں سے متعلق پہلے سے قائم مختلف نسلی نظریات کے حوالے دینے کے بعد انھوں نے پشتونوں کو حضرت ابراہیمؑ کے بھائی کی اولاد میں سے بتایا ہے۔ (۴) یہ کتاب انھوں نے ۱۶۶۴ء میں مغلوں کی قید کے دوران راجپوتانہ کے شہر جے پور کے قریب رنتھنبور کے قلعے میں لکھی تھی۔ اپنی ایک غزل میں بھی پشتونوں کو حضرت یعقوبؑ کی اولاد قرار دیا ہے:

کہ پہ حسن د کشمیر خوبان اوسا ر دی
یا دَچین او دَ ماچین او دَ تاتار دی
پختنے جونہ چہ ما پہ سترگو زیر کڑے
ھغہ ګل واڑہ نجل ددوئی تر کار دی
پہ خائست باندے یے ختمہ دا وینا دہ
چہ پہ اصل د یعقوب قوم و تبار دی (۵)

ترجمہ: اگر کشمیر، چین، ماچین اور تاتار کی خوبرو دوشیزائیں مثالی ہیں لیکن جب میں نے پشتون دوشیزاؤں کو بغور دیکھا تو ان کے وہ سب مقابل ہیچ ہیں۔ ان کی خوبصورتی کی بات اسی پر ختم ہے کہ اصل میں یعقوبؑ کی قوم سے ہیں۔

پشتونوں کے بنی اسرائیل ہونے کا نظریہ اس قوم میں قدیم سے چلا آرہا ہے۔ لیکن اس کو پہلی بار منظم اور مفصل صورت میں نعمت اللہ ہروی نے اپنی فارسی تاریخ ''تاریخ خانجہانی ومخزن افغانی'' میں پیش کیا تھا۔ بعد کے کئی مورخین نے اس نظریے پر مزید تحقیق کر کے رسائل اور کتب تصنیف کی ہیں۔

پشتونوں کی نسلی تاریخ کے مطالعے کے ساتھ ساتھ اقبال پشتون علما سے بھی مباحث کرتے رہتے تھے اور ان علما کی وساطت سے انھیں بنی اسرائیل اور پشتونوں میں رائج مشترک اقدار سے بھی آگاہی ہوتی رہی۔خود پشتونوں میں اسرائیلی نظریہ کافی پختہ ہے لیکن انیسویں صدی کے مغربی محققین کی لسانی تحقیق نے اسرائیلی نظریے کے مقابل اس قوم کا وسطی ایشیا کا ایک قدیم قوم ہونے کا نظریہ کھڑا کیا۔ابھی یہ لسانی تحقیق اور تجزیے کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچے البتہ بر سرِ زمین تہذیبی حقائق اسرائیلی نظریے کے حق میں جاتے ہیں۔ عادات و مزاج، قومی نفسیات، طرز معاشرت و معیشت اور سماجی اقدار وغیرہ کا اشتراک اور ساتھ ہی ساتھ افغانستان میں اسرائیلی آثار وغیرہ بہت کچھ موجود ہے۔ اپنی خصوصیات میں یہ قوم وسط ایشیا اور جنوبی ایشیا کی اقوام و قبائل سے جداگانہ اور منفرد تشخص کی حامل ہے۔ جب کہ مماثلات صرف عبرانی نسل میں ملتی ہیں۔

اقبال کی اس قوم سے محبت کی دوسری جہت افغان قوم کی ایسی مذہبی، سیاسی اور ادبی شخصیات ہیں کہ جن کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ ان کے کارہائے نمایاں نے اقبال کی تخلیقی توجہ حاصل کی۔ اقبال اور خوشحال اس سلسلے کا مقبول موضوع ہے۔ ابتدا میں اقبال نے خوشحال خان کی ایک سونظموں کے انگریزی تراجم کا مطالعہ کیا تھا۔ جو میجر راورٹی نے کیے تھے اور اپنی تصنیف Selection from the poetry of the Afghan میں لندن سے ۱۸۶۲ء میں شائع کیے۔ ان تراجم کے مطالعے کے بعد اقبال نے خوشحال خان کی شخصیت اور شاعری سے متعلق ایک مضمون بعنوان Khushal Khan Khattak the Afghan warrior poet لکھا جو مجلّہ ''اسلامک کلچر'' حیدر آباد دکن میں مئی ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں خوشحال خان کے مختصر تعارف اور ان کی نظموں کے نمونے دینے کے ساتھ ساتھ اقبال نے ان کی شاعرانہ خصوصیات پر بھی بحث کی ہے اور ان کی شاعری کو قدیم عرب شاعری کے مماثل قرار دیا ہے۔اقبال لکھتے ہیں:

> He was a versatile mind and he wrote on various subjects such as poetry.philosophy.ethics.medicine and his own autobiography which is unfortunately lost. through his poetry thr major portion of which was written in india and during his struggle with the Mughals.breathes the spirit of early Arabian poetry.we find in it the same simplicity and directness of expretions.the same love of freedom and war.the same criticizm tolife. (6)

خوشحال خان کو براہ راست پشتو میں پڑھنے کی اقبال کو خواہش تھی۔ جالندھر کے رئیس خان نیاز الدین خان کے نام خط میں لکھتے ہیں:'' افسوس کہ مجھے پشتو نہیں آتی ورنہ سرحد کی اس مارشل شاعری کو اردو یا فارسی کا جامہ پہناتا'' اس کے باوجود خوشحال خان کی پسندیدہ شاعرانہ علامت ''شاہین'' کو اپنی شاعری میں برت کر،ان کے ایک شعر کو فارسی میں ڈھال کر اور ان پر دو نظمیں تخلیق کر کے ان کی حریت فکر سے اپنی محبت کا واضح اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر عابد پشاوری کے مطابق علامہ کا ابتدائی کلام جو''بانگ درا'' میں شامل ہے، اس میں شاہین کا لفظ ۱۹۰۸ء تک کے کلام میں نہیں ہے۔(یعنی خوشحال کو پڑھنے اور یورپ سے واپسی تک) پہلی بار ان کی نظم'' اسیری'' میں جو ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۰ء کے دوران کی نظم ہے، کے ایک شعر میں آیا ہے مگر چونکہ واوین میں ہے اس لیے اقبال نے اسے تضمین کیا ہوگا۔غالباً حافظ کا شعر ہے:

شہپر زاغ و زغن دربند قید و صید نیست
ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند

اقبال نے خوشحال کو پڑھنے (جزوی طور پر ہی سہی) اور اس سے متاثر ہونے کے بعد ہی شاہین کو علامت بنایا۔ (۷)

اقبال نے خوشحال کے ایک شعر کو فارسی میں ڈھالا ہے۔ خوشحال خان نے اس شعر میں پشتونوں کی سیاسی ناعاقبت اندیشی پر طنز کی ہے:

اوخ لہ بارہ پہ خپل کور کے دے ورغلے
پہ اولجہ دَ اوخ دَ غاڑے دَ جرس دی

ترجمہ: مال و متاع سے لدا ہوا اونٹ ان کے گھر میں داخل ہوا ہے لیکن وہ اس کی گردن کی گھنٹی کو ہی متاع سمجھ بیٹھے ہیں۔

''جاوید نامہ'' میں اقبال کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اشترے یابد اگر افغان حر
با یراق و ساز بہ انبار در
ہمت دونش ازاں انبار در
می شود خوشنود بازنگ شتر

خوشحال خان انسانی فطرت کے گہرے مطالعے اور مشاہدے، زندگی پر گہری تنقید، متنوع موضوعاتِ شعر اور شاعری میں فطری سچائی اور حکمت و دانائی کے باعث پشتو کے سب سے بڑے شاعر کے مقام پر ہیں۔ زندگی سے متعلق ہر چھوٹا بڑا موضوع ان کے فکری حیطے میں رہا ہے۔ اپنے عہد کے مروجہ علوم و فنون پر ان کی کماحقہ دسترس تھی اور زندگی کے گہرے تجربات سے حاصل ہونے والی آگہی نے بھی زندگی کی حقیقتوں کو بصیرت افروزی کے ساتھ نظم کرنے کی تخلیقی قوت بخشی تھی۔ ایک قادر الکلام شاعر، جدید نثر نگار، بے باک نقاد اور جہاندیدہ دانشور ہونے کے ساتھ ساتھ غیور و جسور جنگجو سردار بھی تھے۔ ۱۳ سال کی عمر میں پہلی لڑائی لڑی۔ زندگی بھر کم و بیش ایک سو چھوٹی بڑی لڑائیاں لڑیں اور زندگی بھر لکھتے بھی رہے۔ ان کی تلوار اور قلم ساتھ ساتھ چلتے رہے اور کبھی نہیں رکے۔ تلوار اور قلم کو موت ہی ان کے ہاتھوں سے چھین سکی۔ ان کا فکر و فلسفہ دراصل صداقت، غیرت و حمیت۔ اولوالعزمی اور بلندیٔ کردار کی اساس پر تشکیل پاتا ہے۔ دوغلا پن، کم ہمتی، غلامانہ ذہنیت، اور منافقانہ کردار کو وہ ایک ننگیال (غیور و جسور) کی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ خوشحال خان کا ''ننگیال'' اور اقبال کا ''مردِ مومن'' اس حوالے سے مماثل کردار ہیں کہ دونوں میں کردار کی بلندی، بلند ہمتی اور جستجو کی خوبیاں نمایاں ہیں۔ خوشحال کا ''ننگیال'' اپنے وطن اور اپنے لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ ننگیال کے غیر معمولی کردار کے ذریعے خوشحال خان نے قوم کو خودداری۔ عزم و ہمت اور زندگی کے ایک اعلیٰ نصب العین کا درس دیا ہے۔ وہ گردش لیل و نہار کے ساتھ گردش کرنے کو با مقصد زندگی نہیں سمجھتے بلکہ گردش لیل و نہار میں خود کو منوانے اور خودداری، عزت نفس۔ اور

حریت فکر و زیست کو اصل زندگی سمجھتے ہیں۔

پشتون قوم کی خصوصیات و صفات کے بیان کے لیے اقبال نے ''ضرب کلیم'' میں ایک فرضی کردار محراب گل افغان تخلیق کیا ہے اور ''محراب گل افغان کے افکار'' کے عنوان کے تحت بیس نظمیں تخلیق کی ہیں۔ جس قوم کی خصوصیات کے اظہار کے لیے اقبال کو ایک فرضی نام کا سہارا لینا پڑا اس قوم کا ایک حقیقی کردار خوشحال خان ان کے روبرو ہے جن کی شاعری میں خودی، عزم و ہمت، جستجو اور حق گوئی و بے باکی کے انقلاب آفریں مضامین زندگی ایک نئی حرارت دے رہے ہیں تو اقبال ان کو سراہے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔ جاوید نامہ اور بال جبریل میں خوشحال خان سے متعلق نظمیں موجود ہیں۔ جاوید نامہ میں افغان قبائل وشعوب کو ''ملت افغاں'' اور خوشحال خان کو ''حکیم ملت افغاں'' کہا ہے:

خوش سرود آں شاعر افغاں شناس
آنکہ بیند باز گوید بے ہراس
آں حکیم ملت افغانیاں
آں طبیب علت افغانیاں
راز قومے دید و بے باکانہ گفت
حرف حق باشوخیٔ رندانہ گفت

خوشحال خان ۱۶۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان چار پشتوں سے مغلوں کا وفادار اور منصب دار رہا تھا۔ ان کے پردادا ملک اکوڑے کوہاٹ سے نکلے اور نوشہرہ اور اٹک کے درمیان ایک بستی ''سرائے'' کے نام سے آباد کی جو ان سے موسوم ہو کر ''سرائے اکوڑی'' مشہور ہوئی اور اسی کو آج اکوڑہ خٹک کہا جاتا ہے۔ یہیں ان کی پہلی ملاقات ۱۵۸۶ء میں اکبر سے ہوئی تھی۔ اکبر نے اس کو خیر آباد سے نوشہرہ تک کا علاقہ بطور جاگیر دیا اور طے پایا کہ خٹک قبیلہ پشاور سے اٹک تک شاہراہ کی حفاظت کرے گا اور اس کے بدلے میں یہاں سے گزرنے والے تجارتی قافلوں سے راہداری وصول کرے گا۔ ملک اکوڑے کے بعد خوشحال خان کا دادا یحییٰ خان، والد شہباز خان اور خود خوشحال خان اورنگ زیب عالمگیر کے عہد تک اس علاقے کے حاکم اور مغلوں کے معتمد رہے۔ جنوری ۱۶۴۱ء میں اپنے والد شہباز خان کی وفات کے بعد خوشحال خان اپنے خٹک قبیلے کے سردار بنے۔ شاہ جہان کے ساتھ ان کے قریبی مراسم تھے۔ ۱۶۵۹ء میں اورنگ زیب کی تخت نشینی کے دو سال بعد ۱۶۶۱ء میں سید امیر کو کابل کا صوبہ دار اور عبدالرحیم کو پشاور کا نائب صوبہ دار مقرر کیا گیا جن کے ساتھ راہداری کے معاملات پر خوشحال خان کے اختلافات پیدا ہو گئے چنانچہ ۱۶۶۴ء میں ان کو پشاور بلا کر گرفتار کر کے دہلی روانہ کر دیا گیا اور راجپوتانہ کے شہر جے پور کے قریب رنتھنبور کے قلعہ میں ڈھائی سال قید میں رکھا گیا۔ قید سے رہائی کے بعد خوشحال خان کی بقیہ زندگی پشتون قبائل کی جمعیت قائم کرنے اور اپنی آزاد حیثیت قائم رکھنے کی خاطر شمشیر زنی میں گزری۔ مغل حاکموں کی شہ پر اپنے ہی قبیلے اور خاندان میں مخالفین کے سر اٹھانے اور خوشحال کو زندہ یا مردہ پکڑ لانے کی صورت حال کے پیش نظر وہ آفریدیوں کے علاقے میں چلے گئے تاکہ گرفتاری اور قید کی ذلت نہ اٹھانی پڑے اور آخر اسی

حالت میں ۱۶۸۹ء میں ۷۶ برس کی عمر میں وفات پائی۔

اقبال نے بال جبریل میں ''خوشحال خان کی وصیت'' میں ان کی اس وصیت کو نظم کیا ہے جو انھوں نے اپنے مدفن کے بارے میں کی تھی کہ مجھے اکوڑہ خٹک سے گزرنے والی جرنیلی سڑک سے اتنا دور دفن کیا جائے کہ مغلوں کے سوار دستے جب ادھر سے گزریں تو ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اٹھنے والا گرد و غبار میری قبر تک نہ پہنچ سکے۔

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم
کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
مغل سے کسی طرح کم تر نہیں
قہستاں کا یہ بچہ ٔ ارجمند
کہوں تجھ سے اے ہم نشیں دل کی بات
وہ مرقد ہے خوشحال خاں کو پسند
اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
مغل شہسواروں کی گرد سمند

اقبال نے اپنے مکتوبات، مضامین اور شاعری میں پشتون حکمران بہلول لودھی سے شاہِ افغانستان محمد ظاہر شاہ تک پشتون مشاہیر کو یاد کیا ہے۔ خاص طور پر خوشحال خان پر مبسوط تحقیق ہونے کی ان کی خواہش تھی۔ ''اسلامک کلچر'' والے مضمون میں انھوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

> I hope the education minister of Afghan will appoint some Afghan scholar tomake a critical study of this great warroir poet of the pashto language and to bring out a complete edition of this works with the necessary historical notes. (8)

خوشحال خان کی زندگی اور فن پر ڈی لٹ کرنے والی خاتون خدیجہ بیگم فیروزالدین کو خوشحال خان پر تحقیق کرنے اور خصوصاً ان کی سیاسی سرگرمیوں پر ایک باب لکھنے کا مشورہ اقبال نے دیا تھا۔ وہ اپنے تحقیقی مقالے کے تعارف میں لکھتی ہیں:

> میں نے ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا کہ میں اپنے مقالے میں خوشحال خان کی سیاسی سرگرمیوں پر ایک باب لکھوں گی سو میں اس وعدے کی پابند ہوں۔ (۹)

خدیجہ بیگم فیروزالدین نے اپنی تحقیق کا آغاز ۱۹۲۸ء میں کیا تھا اور ۱۳ دسمبر ۱۹۴۴ء کو پنجاب یونیورسٹی نے انھیں ڈی

لٹ کی ڈگری دی تھی۔ خوشحال خان کے علاوہ بھی کئی پشتون شخصیات کا ذکر اقبال نے کیا ہے۔ کچھ نام جمال الدین احمد و عبدالعزیز کی تصنیف Modern Afghanistan کے دیباچے میں یاد کیے ہیں۔

> I hope,who have produce such men as Muhammad Gauri,Ala-ud- din khilji, sher shah suri, Ahmad shah abdali,Amir Abdurehman khan,king Nadir shah and above all,Maulana syed Jamal-ud-Din Afghani-In many respect the greatest muslim and certainly one of the greatest Asiatic of our times-can not but be regarded as an important factor in the life of Asia.(10)

برصغیر میں مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ دور اقتدار میں ہندوستان آ کر آباد ہونے والی پشتون نسلیں ہوں اور یا افغانستان اور پشتونخوا کے کوہ و دمن میں آباد پشتون ہوں، اقبال کو ان کی حریت فکر، فطری سادگی اور دین سے گہری وابستگی نے متاثر کیے رکھا تھا۔ اپنے دین سے محبت ان کے لیے دینی جذبے اور ملک و ملت سے محبت قومی جذبے سے بڑھ کر مقام غیرت ہوتا ہے اسی لیے تو اقبال نے کہا تھا:

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

اس قوم کے ساتھ ان کے گہرے فکری اور سیاسی روابط کا آغاز افغانستان میں امان اللہ خان کا اقتدار سنبھالنے اور ملک کو انگریزوں کے تسلط سے آزاد کرنے کی جدوجہد کے بعد ہوا۔ افغانستان کے ساتھ تیسری جنگ میں نقصان اٹھانے اور ڈیورنڈ لائن کو مستقل سرحد تسلیم کرنے کے ساتھ ہی برطانیہ نے افغانستان کو آزاد ملک تسلیم کر لیا تھا۔ اسی دوران اقبال نے ''پیام مشرق'' مکمل کر لی تھی چنانچہ اس کو شاہ افغانستان امان اللہ خان کے نام منسوب کیا اور ایک مثنوی بھی ان کو مخاطب کر کے تخلیق کی۔

امان اللہ کے اقتدار کا خاتمہ بچہ سقی کی بغاوت اور حبیب اللہ خان کے نام سے اقتدار پر قبضہ کرنے سے ہوا۔ اس وقت جنرل نادر خان فرانس میں تھے۔ وہ اس بغاوت کو فرو کرنے کی غرض سے ۱۵ فروری ۱۹۲۹ء کو ممبئی پہنچے اور وہاں سے پشاور کے لیے روانہ ہوئے۔ لاہور میں اقبال نے ان سے ملاقات کی اور اسلامی حکومت کے قیام و استحکام کے لیے نہ صرف اپنے ہر قسم تعاون کا یقین دلایا بلکہ اپنی طرف سے پانچ ہزار روپے چندہ بھی دیا۔ نیز اقبال ہی کی مساعی سے مزید چندے کے لیے'' نادر خان ہلال احمر فنڈ'' قائم کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ افغانستان کے زخمی سپاہیوں، بچوں اور عورتوں کے علاج معالجے کی خاطر''نادر خان ہلال احمر سوسائٹی'' کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ نادر خان نے کرم ایجنسی سے ملحقہ علی خیل نامی افغان علاقے میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا اور''اصلاح'' نامی سائیکلو سٹائل اخبار جاری کیا تو یہ اخبار اور نادر خان کے خفیہ خطوط بھی اللہ بخش یوسفی اور عبدالمجید سالک کے توسط سے اقبال تک پہنچتے رہے۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں جنرل نادر خان کو نادر شاہ کے نام سے افغانستان کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا اور ۱۹۳۰ء میں انھوں نے ملک کو تحریری دستود دیا۔ نادر شاہ نے معیشت کی بحالی کے ساتھ ساتھ تعلیمی اصلاحات پر بھی فوری توجہ دی اور ان ہی اصلاحات اور خصوصاً کابل یونیورسٹی

کے قیام کے سلسلے میں مشاورت کے لیے اقبال کو افغانستان آنے کی دعوت دی۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء کے دورۂ افغانستان میں سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود بھی ان کے ہمراہ تھے۔ نادر شاہ سے ان پہلی ملاقات ۲۶ اکتوبر کو ہوئی۔

پہلی ملاقات میں مغرب کی نماز (۱۱) کے موقع پر نادر شاہ نے اقبال سے امامت کی درخواست کی۔ اقبال نے کہا نادر! میں نے اپنی عمر کسی شاہ عادل کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی تمنا میں گزار دی ہے۔ آج جب کہ خدا نے اس فقیر کی مراد کے پوری کرنے کے اسباب پیدا کر دیئے ہیں تو کیا تو مجھے اس نعمت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ آج میں تیری اقتدا میں نماز پڑھوں گا۔ امامت تجھ کو کرنی ہوگی۔ (۱۲)

مثنوی مسافر کی ابتدا نادر شاہ کے نام سے ہوتی ہے:

نادرِ افغاں شہ درویش خو
رحمت حق بر رواں پاک او
کار ملت محکم از تدبیر او
حافظ دین مبیں شمشیر او

اقبال ۴ نومبر ۱۹۳۳ء کو واپس لاہور پہنچے اور تین روز بعد یعنی ۷ نومبر کو ایک طالب علم نے ایک مدرسے کے جلسے میں نادر شاہ کو قتل کر دیا۔ نادر شاہ سے متعلق ''بال جبریل'' میں ''نادر شاہ افغان'' کے عنوان سے چار شعر درج ہیں:

حضور حق سے چلا لے کے لولوئے لالا
وہ ابر جس سے دگ گل ہے مثل تارِ نفس

''جاوید نامہ'' میں بھی نادر شاہ کو درانیوں کا سرمایہ کہا ہے:

نادر آں سرمایۂ درانیاں
آں نظامِ ملتِ افغانیاں
از غم دین و وطن زار و زبوں
لشکرش از کوہسار آمد بروں

نادر شاہ کے بعد ان کے بیٹے محمد ظاہر شاہ نے اقتدار سنبھالا۔ مثنوی مسافر میں ۴۷ اشعار بعنوان ''خطاب بہ پادشاہ اسلام اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ ایدہ اللہ بنصرہٗ'' شامل ہیں:

اے قبائے پادشاہی بر تواست
سایۂ تو خاک مارا کیمیا است

ایک جفاکش، سخت کوش اور حریت پسند قوم ہونے کے سبب اقبال ملت افغانیہ کو بہت احترام دیتے تھے۔ اس قوم

کے مذہبی، سیاسی اور ادبی مشاہیر کا ذکر مختلف مواقع پر بار بار کیا ہے۔ یہاں ان مشاہیر کے بارے میں اقبال کی آرا کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

سید جمال الدین افغانی:

اقبال نے افغانی کے نظریات اور عالم اسلام کے اتحاد کے لیے ان کی کاوشوں کا بڑا اثر قبول کیا ہے۔ جاوید نامہ کی مثنوی میں اقبال نے پیر رومی کی رہنمائی میں عالم افلاک کی روحانی سیر کی اور فلک عطارد پر سید جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کی ارواح کی زیارت کی۔ افغانی امامت فرما رہے ہیں اور سعید حلیم پاشا اقتدا کر رہے ہیں۔ رومی اور اقبال بھی شریک نماز ہو جاتے ہیں۔ اس زمانے میں جمال الدین افغانی کی قبر افغانستان میں نہیں تھی۔ انھوں نے مارچ ۱۸۹۷ء میں استنبول میں وفات پائی تھی اور وہیں دفن تھے۔ ۴۸ برس بعد حکومت افغانستان کی درخواست پر ترکی نے جذبۂ خیر سگالی کے تحت ان کا جسد خاکی افغانستان منتقل کرنے کی اجازت دی۔ ایک اعلیٰ سطح افغانی وفد دسمبر ۱۹۴۴ء میں ان کے جسد خاکی کا تابوت بحری جہاز کے ذریعے ممبئی لایا اور وہاں سے لاہور لایا گیا۔ ایک عینی شاہد ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کے مطابق:

> لاہور میں افغانی کا تابوت ایک شب و روز رہا۔ برکت علی اسلامیہ ہال (بیرون موچی دروازہ) میں رات بھر زائرین آتے، قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور افغانی کی روح کو ثواب پہنچاتے رہے۔ پنجاب کے دوسرے شہروں سے بھی ہزاروں مسلمان زیارت کے لیے لاہور آئے۔ اگلے روز بعد نماز ظہر لاکھوں انسانوں کے جلوس کے ساتھ افغانی کا تابوت شہر سے گزر کر بادشاہی مسجد میں لے جایا گیا۔ وہاں دعائے مغفرت پڑھی گئی اور اس کے بعد تابوت کو ماسجد سے باہر لا کر تھوڑی دیر کے لیے علامہ اقبال کے مرقد کے پہلو بہ پہلو رکھ دیا گیا۔ (۱۳)

اب افغانستان میں سید جمال الدین کا مزار کابل یونیورسٹی کے احاطے میں ہے۔

شیر شاہ سوری:

''محراب گل افغان کے افکار'' کے تحت ۱۸ ویں نظم میں اقبال نے شیر شاہ سوری کے ذیل کے اقوال کو سراہا اور شعروں میں ڈھالا ہے:

۱: پشتونوں قبیلویت چھوڑ دو ایک ملت بناؤ

۲: میرے دربار میں قبیلوں کے نام نہ لیا کرو، میرے لیے تمام پشتون برابر ہیں

اقبال نے شیر شاہ سوری کے ان نظریات کو یوں سراہا ہے:

یہ نکتہ خوب کہا شیر شاہ سوری نے
کہ امتیاز قبائل تمام تر خواری

عزیز ہے انھیں نام وزیریؒ و محسود
ابھی یہ خلعت افغانیت سے ہیں محروم

قطب الدین ایبک:

اکثر مورخین نے قطب الدین ایبک کو نسلاً ترک لکھا ہے حالانکہ وہ افغانوں کے ایبک قبیلے سے تھے۔افغانوں میں ایبک اور بوبک نام کے دو قبیلے ہیں۔خودافغان مورخین ان کو قطب الدین افغان ایبک لکھتے ہیں:''زبورعجم'' میں شیر شاہ سوری اور قطب الدین ایبک کے تعمیری کارناموں سے متعلق اقبال نے کہا ہے:

خیزد کار ایبک و سوری نگر
وانما چشمے اگر داری جگر

مسجد قوت اسلام کی بنیاد قطب الدین ایبک نے رکھی تھی اور''ضرب کلیم'' میں اسی مسجد کے حوالے سے نظم''مسجد قوت اسلام'' تخلیق ہوئی ہے۔

احمد شاہ بابا:

احمد شاہ بابا، احمد شاہ ابدالی اور احمد شاہ درانی ایک ہی پشتون حکمران کے نام ہیں۔سید سلیمان ندوی کی'' سیر افغانستان'' کے مطابق:'' خواجہ ابو احمد ابدال چشتی سے مرید ہوکر ابدال لقب پایا اور اسی نسبت سے ابدالی کہلایا''، اولف کیرو کے مطابق:

> اس نے درّ دراں کا لقب اختیار کیا یعنی موتیوں والا موتی۔کہا جاتا ہے کہ اسے کانوں میں موتیوں کی بنی ہوئی بالی پہننے کا شوق تھا۔۔اس کا قبیلہ جو پہلے ابدالی کہلاتا تھا اسی زمانے سے درانی مشہور ہوا۔(۱۴)

احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان میں مرہٹوں کو شکست دی تھی۔سید سلیمان ندوی کے بقول:

> سلطان احمد شاہ ابدالی دین دار، انصاف پسنداور پرجوش مجاہد تھا اور یہ کہنا مبالغہ سے خالی ہے کہ اسلام کی پچھلی تاریخ میں اس سے بڑا کوئی دوسرا ہیرو نہیں ۔(۱۵)

احمد شاہ ابدالی کے مزار پر اقبال نے اپنے تاثرات اپنی فارسی نظم'' احمد شاہ با با رحمۃ اللہ علیہ موسس ملت افغانیہ'' میں بیان کیے ہیں۔ اقبال نے ان کو قسطنطنیہ کے فاتح محمد فاتح کی طرح صف شکن ہونے کے ساتھ ساتھ اقلیم سخن کا بادشاہ بھی کہا ہے۔

مثل آں فاتح امیر صف شکن
سکہ زدھم باقلیم سخن

احمد شاہ ابدالی پشتو کے بلند پایہ شاعر تھے اور ان کا دیوان چھپ چکا ہے۔

پیر روشان:

پیر روشان(۱۵۸۰۔۱۵۲۴ء) کا اصل نام بایزید انصاری تھا۔ ان کو ان کے مرید پیر روشان(روشن پیر) کہا کرتے تھے۔ یہ پشتون عالم پشتو اور فارسی کی کئی کتابوں اور رسائل کے مصنف تھے۔ ان کی مشہور کتاب ''خیر البیان'' ہے جو فقہی مسائل پر مشتمل ہے۔ پیر روشان نے تصوف اور پیر کامل کے مضامین میں اپنا ایک خاص مسلک بھی پیش کیا جسے اس وقت کے دیگر علما نے قبول نہیں کیا چنانچہ ایک اور عالم اخون درویزہ نے اس کی شدید مخالفت کی اور جواب میں ایک کتاب'' مخزن الاسلام'' لکھ کر پیر روشان کے نظریات کو اسلام سے متصادم قرار دیا۔ اخون درویزہ نے پیر روشان کو''پیر تاریک'' کا نام دیا تھا۔ دونوں فریقوں کے مریدوں میں مسلح جھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔ ادھر مغل حاکموں کے خلاف بھی پیر روشان نے کئی پشتون قبائل کو یکجا کیا اور ان کے ساتھ بھی مسلح جھڑپیں ہوئیں جو ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے کی سرکردگی میں بھی جاری رہیں۔ اقبال کو پیر روشان کی حریت فکر سے دلچسپی تھی۔انھوں نے ۱۹۲۶ء میں ترکی کے ادارہ مطالعہ اسلام کے سربراہ خالد خلیل بے کے نام اپنے خط میں پشتونوں کی نسلیت اور ان کے مشاہیر سے متعلق جن خطبات کا اہتمام کرنے کی تجویز دی تھی ان میں پیر روشان کا نام بھی شامل ہے۔

حضرت داتا گنج بخش:

علی بن عثمان بن علی جُلابی ہجویری غزنوی، پاک و ہند میں حضرت داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں۔ غزنی شہر میں پیدا ہوئے تھے۔ کئی اسلامی ممالک میں بزرگان دین کی صحبتوں سے فیض یاب ہونے کے بعد سلطان محمود غزنوی کی ہند کی فتوحات کے بعد ہندوستان چلے آئے ۔ استاد خلیل اللہ خلیلی لکھتے ہیں:

> ڈاکٹر اقبال نے انھیں مخدوم امم، پنجاب کو کو زندہ رکھنے والا،قرآن کا پاسبان اور باطل کے گھر کو نابود کرنے والا کہا ہے۔ ہجویری کے والدین غزنی کے قبرستان ''اربابا'' میں دفن ہیں۔ ڈاکٹر اقبال بھی غزنی میں آمد پر علی ہجویری کے والدین کی قبروں پر گئے اور فاتحہ خوانی کی اور ان کے مزار کی مٹی کو تبرکاً اپنے ساتھ لائے اور کہا: اس ماں کی اس گود میں ایک ایسے بیٹے نے پرورش پائی ہے جو کہ میرے شہر کے لوگوں کے لیے مربی کا درجہ رکھتا ہے اور اس خاتون کا فرزند ہندوستان کے جملہ مسلمانوں کا باپ کہلانے کا مستحق ہے۔ (۱۶)

محراب گل افغان کے افکار:

یہ طے ہے کہ پشتونوں میں محراب گل نام کا کوئی شاعر نہیں گزرا ہے کہ جس کے افکار کو اقبال نے اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ یہ ایک مثالی پشتون کردار ہے جس کے نام سے بیس نظمیں ''ضرب کلیم'' میں شامل ہیں۔ یہ نظمیں پشتونوں کی خودداری، غیرت اور جذبۂ حریت کی غماز ہیں۔ ان بیس میں سے سات نظموں میں یورپ اور انگریز مذکور ہے۔ اقبال دیکھ رہے تھے کہ یہ غیور و جسور قوم کس طرح اپنی سرزمین کو انگریزوں کے تسلط سے آزاد کرنے کی خاطر سرفروشانہ جدوجہد کر رہی ہے۔ ادھر تیسری اینگلو افغان جنگ(۱۹۱۹ء) میں برطانیہ نے ہزیمت اٹھانے کے بعد افغانستان کی مکمل آزادی کو تسلیم کر لیا تو ادھر پشتونخوا کے قبائل نے انگریز کے خلاف کمر سے تلوار اور کاندھے سے بندوق نہیں اتاری تھی۔ بندوق سے ان

کی محبت مثالی تھی۔ برطانیہ کے مرد آہن ونسٹن چرچل نے جو اس زمانے میں خیبر پختونخوا میں سیکنڈ لیفٹیننٹ کی حیثیت سے بطور جنگی نامہ نگار تعینات تھے، اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنی زندگی کے ابتدائی ایام سے متعلق اپنی کتاب MY early life میں پشتونوں کے ساتھ جنگوں پر تین ابواب تحریر کیے ہیں۔ انگریز سے پشتونوں کی نفرت اور ان سے بندوق چھیننے کے شوق سے متعلق لکھتے ہیں:

> اس اُکتا دینے والے ماحول میں پہلی بار (ان کے لیے) دو چیزیں نئی آئیں۔ ایک انگریز اور دوسری ان کی بندوق۔ انگریز سے تو ان کو سخت نفرت تھی لیکن ان کی اس نئی بندوق سے ان کو اتنی زیادہ محبت ہو گئی کہ ہر قیمت پر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔۔ (۱۷)

پشتون تلواروں، خنجروں اور دیسی ساخت کی بندوقوں سے جدید اسلحے سے لیس برطانوی افواج کا مقابلہ بے جگری کے ساتھ کرتے رہے اور جب کسی بھی طرح سے ان کو زیر نہ کیا جاسکا تو تو ان پر بمباری شروع کر دی گئی۔انگریز نے برصغیر پر اپنے دوسو سالہ اقتدار کے دوران جہاز کو جنگی مقاصد کے لیے صرف پشتونخوا کے پشتونوں کے خلاف استعمال کیا ہے۔اقبال کو اس بمباری پر شدید تشویش ہوئی چنانچہ ۱۱ اگست ۱۹۳۳ء کو وائسرائے ہند کے نام یہ تار بھیجا:

> اہل لاہور کا ایک پبلک جلسہ کل شام سرحدی علاقوں پر بمباری کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے منعقد ہونے والا تھا لیکن ملتوی کر دیا گیا۔ مسلمان پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ بمباری فوراً بند کی جائے اور امور متنازعہ کے تصفیے کے لیے پرامن طریقہ برتا جائے۔ (۱۸)

جدید اسلحے سے لیس برطانوی افواج کو اپنی شکست کو دنیا سے چھپانا بھی پڑتا تھا۔ جنگ تیراہ میں شکست کھانے کے بعد ونسٹن چرچل لکھتے ہیں:

> انگریزی حکومت نے اس علاقے کو فتح کرنے میں پوری قوت سے کام لیا۔ فوج کمک در کمک آئی لیکن مطلوبہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ میں نے اپنے اخبار کو تار کے ذریعے خبر بھیجی اور جو کچھ دیکھا تھا سچ سچ لکھا لیکن محاذ کے فیلڈ مارشل کو جب پتہ چلا تو اس نے لندن کے وار آفس کو فوراً تار ارسال کیا کہ یہ خبر چھپنے نہ پائے ورنہ دنیا میں برطانوی سلطنت بدنام ہو جائے گی۔ (۱۹)

اس پس منظر میں ''محراب گل افغان کے افکار'' میں یورپ اور انگریز کے جو حوالے آئے ہیں وہ اپنی تاریخی معنویت کے ساتھ قاری کی بصیرت پر حاوی ہوتے ہیں۔ جیسے:

نظم ۱:	اے مرے فقرِ غیور فیصلہ تیرا ہے کیا	خلعتِ انگریز یا پیرہنِ چاک چاک
نظم ۶:	لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید	مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ
نظم ۹:	گرچہ مکتب کا جواں زندہ نظر آتا ہے	مردہ ہے مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس
نظم ۱۱:	مجھ کو ڈر ہے کہ ہے طفلانہ طبیعت تیری	اور عیار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش

نظم ۱۵: افرنگ زخود بے خبرت کرد وگرنہ اے بندۂ مومن تو بشیری تو نذیری

نظم ۱۹: فرنگ سے بہت آگے ہے منزل مومن قدم اٹھا یہ مقام انتہائے راہ نہیں

اقبال نے پشتونوں کی تاریخ و تہذیب اور قومی نفسیات میں ایسے ڈوب کر یہ نظمیں کہیں ہیں کہ خوشحال خان کے علاوہ کوئی اور پشتون شاعر اپنی قوم کے مزاج، اجتماعی دانش،نصب العین اور اقدار کو تخلیقی سطح پر ایسی جامعیت ومعنویت کے ساتھ پیش نہیں کر سکا۔ اقبال نے محراب گل افغان بن کر خودی،فقر و غیرت،اتحاد و مرکزیت۔عزم و عمل اور حریت کا جو درس دیا ہے وہ پشتون فطرت اور پشتونوں کے ضابطۂ حیات''پشتون ولی'' کی تہذیبی معنویت سے بھرپور ہے۔ یہاں دو چار مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے:

''محراب گل افغان کے افکار'' کی پہلی نظم کا چوتھا شعر ہے:

باز نہ ہو گا بندۂ کبک و حمام
حفظِ بدن کے لیے روح کو کر دوں ہلاک

پشتوں میں عام قول ہے کہ: '' جان جائے لیکن غیرت نہ جائے یا جان جائے لیکن پشتو(بمعنی غیرت) نہ جائے۔

اسی نظم کا پہلا شعر ہے:

مرے کہستاں تجھے چھوڑ کے جاہوں کہاں
تیری چٹانوں میں ہے میرے اب و جد کی خاک

پشتوں کی اپنی مٹی سے محبت مشہور ہے۔ وہ اپنے گاؤں اور اپنے علاقے کو وطن کہتے ہیں اور وطن کو حتی الوسع چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے۔کبھی چھوڑنا بھی پڑا تو ہمیشہ یاد کرتے رہتے ہیں۔ جیسے احمد شاہ ابدالی کا شعر ہے:

دَ دھلی تخت ھیروَمہ چی رایاد شی
زما دَ خکلے پختونخوا دَ غرو سرونہ

ترجمہ: میں دہلی کا تخت بھولنے لگتا ہوں جس لمحے اپنے خوبصورت پشتونخوا کی کوہستانی چوٹیوں کو یاد کرتا ہوں۔

طویل مسافتوں کی سفری تکالیف اور بھاری اخراجات کے باوجود پشتون اپنے مردے وطن لاکر دفنانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

نظم نمبر ایک کا ایک اور شعر ہے:

تیرے پیچ و خم میں مری بہشت بریں
خاک تیری عنبریں آب تیرا تابناک

اور پشتون کہا کرتے ہیں:''ہر کسی کے لیے اپنے وطن جنت ہے'' اپنے وطن کے آب کوتابناک کہنا تمام پشتونوں کی سرشت میں ہے۔خوشحال خان خٹک نے ہندوستان کو اسی لیے پسند نہیں کیا تھا کہ وہاں پہاڑوں کا ٹھنڈا پانی میسر نہیں ہے:

چہ سڑے اوبۂ دَ غرۂ نشتہ پہ ہند کے
ترے توبہ کہ واڑہ ڈک دے لہ نعیمہ

ترجمہ: ہند میں پہاڑوں کا ٹھنڈا پانی نہیں ہے۔اگر دیگر تمام نعمتوں سے بھی بھرا پڑا ہے تو میری اس سے توبہ ہے۔

نظم ۴ کا شعر ہے:

حاجت سے مجبور مردانِ آزاد
کرتی ہے حاجت شیروں کو روباہ

پشتو میں ضرب المثل مشہور ہے کہ حاجت کے وقت لوگ گدھے کو بھی بابا کہہ کر پکارتے ہیں۔

نظم ۱۸ میں اقبال کہتے ہیں:

یہ نکتہ خوب کہا شیر شاہ سوری نے
کہ امتیاز قبائل تمام تر خواری
عزیز ہے انھیں نام وزیری و محسود
ابھی یہ خلعت افغانیت سے ہیں محروم

اپنے قبیلے اور خیل (ذیلی قبیلہ) پر فخر کرنا پشتونوں کی سرشت میں ہے۔اپنے قبیلے کو برتر اور دوسرے کو کم تر قرار دینے کے لیے کہاوتیں تک مشہور ہیں جیسے گدون (جدون) قبیلے والے خدا سے کہتے ہیں:

چی پیدا دِ گدانہ کڑل
نور دِ سہ لہ پختانہ کڑل

(اے خدا تو نے گدون پیدا کیے تو پھر اور پشتون پیدا کرنے کی ضرورت کیا تھی)

المختصر''محراب گل افغان کے افکار'' ایک ایسے افغان کے افکار ہیں جس کی تخلیقی فکر یہاں کے کوہساروں کی نیلگوں فضاؤں میں شاہینوں کے ساتھ محو پرواز رہی اور جس نے کوہساروں کی خلوت سے تعلیمِ خود آگاہی پائی۔ جو فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کرتا ہے۔ جو جنگ میں شیرانِ غاب سے بڑھ کر ہے۔جس کا فقر خزف کو نگین کرتا ہے۔اور'' ڈھونڈ کے اپنی خاک سے جس نے پایا اپنا آپ'' اور جس کا نعرہ ہے:

افغاں باقی کہسار باقی
الحکم للہ الملک للہ

اقبال کی افغان قومیت سے محبت کے ساتھ ساتھ ان کی جغرافیائی حیثیت سے بھی دلچسپی تھی ۔ یوں تو اقبال نے درہ خیبر، کابل اور غزنی کو موضوع بنا کر ان مقامات کی تاریخی عظمت کو اجاگر کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ افغانستان اور پشتونخوا کی جغرافیائی حیثیت پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ شیر شاہ سوری کی طرح اقبال بھی افغانستان کو خشکی کے راستے عالم اسلام کے قریب تر لانے کے خواہش مند تھے۔ شیر شاہ سوری نے پشتونوں کی ترقی کے لیے اپنی چار خواہشوں کا اظہار کیا تھا۔ اول یہ کہ پشتونوں کو میدانی علاقوں میں آباد کروں۔ دوم: بڑے شہروں کی بجائے چھوٹے شہر آباد کروں کیونکہ بڑے شہر حملہ آوروں کو ترغیب دیتے ہیں۔ سوم: جس طرح کلکتے سے پشاور تک سڑک نکالی ہے ویسی ہی سڑک مکہ معظّمہ تک تعمیر ہو تا کہ عازمین حج اور قافلوں کو سہولت ہو۔ چہارم: خطے کی ترقی کی خاطر ایک بحری بیڑا بناؤں۔ اقبال نے دورۂ افغانستان کے دوران افغانستان اور وسطی ایشیا کے لیے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ چینی ترکستان سے حوالے سے گفتگو کے دوران اقبال کے خیالات کو سید سلیمان نے بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر فرمایا کہ یورپ نے بحری جہازوں کے ذریعے مشرق و مغرب کو ملایا۔ آئندہ وسطی ایشیا کا خشکی کا راستہ مشرق و مغرب کو ملائے گا۔ تجارتی قافلے موٹروں، لاریوں، جہازوں اور ریلوں کے ذریعے مشرق و مغرب میں آئیں جائیں گے اور چونکہ یہ پورا راستہ اسلامی ملکوں سے ہو کر گزرے گا اس لیے اس انقلاب سے اسلامی ملکوں میں عظیم الشان اقتصادی اور سیاسی انقلاب رونما ہو گا اور اس وقت پہلے کی طرح پھر افغانستان کو دنیا کی شاہراہ بننے کا موقع ملے گا۔ اقبال نے ملت افغانیہ کی جغرافیائی اور سیاسی اہمیت کو پورے ایشیا کے تناظر میں جس بصیرت کے ساتھ پیش کیا ہے اس کی صداقت آج پوری دنیا پر کھل رہی ہے۔ انھوں نے کہا ہے:

آسیا یک پیکرِ آب و گل است
ملتِ افغاں در وَں پیکر دل است
از فسادِ او فسادِ آسیا
در کشادِ او کشادِ آسیا

حواشی و حوالہ جات

۱۔ محمد اکرام چغتائی نے اقبال کا یہ خط اپنی تالیف ''اقبال افغان اور افغانستان'' میں نقل کرتے وقت اس میں تصرف کیا ہے اور جس سے اقبال کا یہ اہم لسانی نظریہ اس تالیف کی حد تک فوت ہو جاتا ہے۔ اقبال کا درست جملہ یہ ہے: ''کشامرہ غالباً اور افاغنہ یقیناً اسرائیلی الاصل ہیں'' جب کہ محمد اکرام چغتائی نے یوں بدلا ہے: ''کشامرہ غالباً افاغنہ یعنی بنی اسرائیل ہیں''

۲۔ شبیر احمد ڈار، ''انوارِ اقبال''، اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور، طبع اول مارچ ۱۹۶۷ء، ص ۲۸۴

۳۔ عطا اللہ، شیخ، ''اقبال نامہ'' اقبال اکادمی پاکستان، طبع نو ۲۰۰۵ء، ص ۵۶۰

۴۔ خوشحال خان، خٹک، ''دستار نامہ'' تحقیق و تصحیح و حواشی: ڈاکٹر یار محمد مغموم خٹک، یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۳۴

۵۔ خوشحال خان، خٹک، ''ارمغان خوشحال'' مرتب) سید رسول رسام، یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور، سن ندارد، ص ۶۳۴

6. Muhammad Iqbal,Doctor,Khushal Khan Khattak the Afghan warrior poet, (reference:)Iqbal Afghan and Afghanistan, edit, annotated and written by Muhammad Ikram chaghatai,sang e meel publications lahore,P-10

۷۔ عابد پشاوری،''اقبال اور ملت افغانیہ'' مشمولہ: اقبال افغان اور افغانستان،ص ۶۲۱

8. Iqbal Afghan and Afghanistan,P-10

۹۔ خدیجہ بیگم فیروز الدین، ڈاکٹر، خوشحال خان خٹک حیات وفن، (ترجمہ) ڈاکٹر محمد اقبال نسیم خٹک، اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد،۲۰۰۴ء،ص ۳۲

10. Iqbal Afghan and Afghanistan,P-18

۱۱۔ محمد اکرام چغتائی کی تالیف'' اقبال افغان اور افغانستان'' میں جناب اختر راہی نے اپنے مضمون'' بعنوان'' علامہ اقبال اور نادر شاہ'' میں ڈاکٹر ظہیر الدین کے حوالے سے نماز مغرب کی امامت کا ذکر کیا ہے جب کہ اقبال کی مثنوی''مسافر'' میں نماز کا وقت عصر مذکور ہے:

قوتِ عصر آمد صدائے الصلوات
آن کہ مومن راکند پاک از جہات
انتہائے عاشقاں سوز و گداز
کردم اندر اقتدائے او نماز

۱۲۔ اختر راہی،'' علامہ اقبال اور نادر شاہ'' مشمولہ اقبال افغان اور افغانستان

۱۳۔ غلام حسین ذوالفقار،''اقبال اور سید جمال الدین افغانی'' مشمولہ: اقبال افغان اور افغانستان،ص ۳۵۳

14 .Olaf Caroe, the pathan, oxford university press Karachi,P-256

۱۵۔ سلیمان ندوی، سید''سیر افغانستان'' مشمولہ: اقبال افغان اور افغانستان،ص ۸۰۳

۱۶۔ خلیل اللہ خلیلی،استاد،''اقبال اور افغانستان'' مشمولہ: اقبال افغان اور افدغانستان،ص ۴۶۷ تا ۴۹۶

۱۷۔ میر عبدالصمد خان،''اقبال و افغان'' یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور، اشاعت دوم،۲۰۱۰،ص ۱۹۱

۱۸۔ عبد السلام،خورشید،ڈاکٹر،''اقبال اور سرزمین سرحد'' مشمولہ: اقبال افغان اور افغانستان،ص ۵۸۵

۱۹۔ میر عبد الصمد خان،اقبال اور افغان،ص ۱۹۱